۱۰

شیخ عبدالرحمٰن صاحب مصری کی کذب بیانیوں کا ایک نمونہ

(فرمودہ ۱۱ ؍مارچ ۱۹۳۸ء)

تشہّد ،تعوّذ اور سورۃ فاتحہ کی تلاوت کے بعد فرمایا:-

''اللہ تعالیٰ مؤمنوں کے ایمان کی زیادتی کیلئے ہمیشہ ایسے سامان پیدا کرتا رہتا ہے جو اُن کو صراطِ مستقیم پر قائم رکھتے اور اُن کے ایمانوں کو بڑھاتے رہتے ہیں۔ جو لوگ تو ظاہر اور باطن میں یکساں ہوتے ہیں اور ان کے دلوں کا ایمان ان کی زبانوں کے دعووں کے مطابق ہوتا ہے ایسے امور ان کے ایمان میں جِلا پیدا کرتے ہیں اور ان کی روحانیت کو ترقی دیتے ہیں لیکن جن کے دلوں میں ایمان ان کی زبانوں کے دعووں کے مطابق نہیں ہوتا اور ان کا ایمان زبان کی نوک تک ہی رہ جاتا ہے اور ان کے دل ویران ہوتے ہیں ان کیلئے وہی چیز ٹھوکر کا موجب ہو جاتی ہے۔

چونکہ یہ قدیم سے الٰہی سنت چلی آتی ہے کہ خدائی نشان، خدا تعالیٰ کی طرف سے آنے والی کتابیں، خدا تعالیٰ کے مأمور اور مرسل اور خدا تعالیٰ کے دین کی تائید اور مدد میں کھڑے ہونے والے انسان سب اپنے اندر یہ صفت رکھتے ہیں کہ **يُضِلُّ بِهٖ كَثِيْرًا وَّيَهْدِيْ بِهٖ كَثِيْرًا**[1] دنیا میں خدا تعالیٰ کا کوئی ایسا مامور نہیں آیا جو بعض لوگوں کی ٹھوکر کا موجب نہ ہؤا ہو۔ خدا تعالیٰ کی طرف سے کوئی کتاب ایسی نہیں آئی جو بعض کی گمراہی کا موجب نہ ہوئی ہو۔ خدا تعالیٰ کے دین کی خدمت کیلئے کوئی شخص کھڑا نہیں ہؤا خواہ وہ مامور ہو یا غیر مامور، جو بعض لوگوں کی

گمراہی کا موجب نہ ہوا ہو، اسی طرح دنیا میں خدا تعالیٰ کا کوئی مامور یا مرسل ایسا نہیں آیا جو لوگوں کی ہدایت کا موجب نہ ہوا ہو۔ کوئی کتاب ایسی نہیں آئی جس سے لوگوں نے ہدایت نہ پائی ہو۔ کوئی شخص خدا تعالیٰ کے دین کی خدمت کیلئے ایسا کھڑا نہیں ہوا جس کے دل میں سچی تڑپ ہو اور خدا تعالیٰ نے اس کی کوششوں میں برکت نہ ڈالی ہو۔ یہ دونوں دریا یکساں اور بیک وقت چلتے ہیں۔ لیکن بَيْنَهُمَا بَرْزَخٌ لَّا يَبْغِيٰنِ[2] بظاہر یوں معلوم ہوتا ہے کہ یہ ایک ہی دریا ہے جو کسی زمانہ میں خالص اسلام کے نام سے بہتا ہے، کسی زمانہ میں عیسوی تعلیم کے نام سے بہتا ہے اور کسی زمانہ میں ابراہیمؑ کی تعلیم کے نام سے بہتا ہے اور کسی زمانہ میں احمدیہ اسلام کے نام سے بہتا ہے۔ گو ہر زمانہ میں یہ دریا ایک نظر آیا ہے مگر دراصل اس کے دو حصے ہوتے ہیں۔ ایک میٹھا اور ایک کڑوا۔ جو حصہ میٹھے پانی پر مشتمل ہوتا ہے وہ مؤمنوں کی جماعت ہوتی ہے اور جو کڑوے پر مشتمل ہوتا ہے وہ منافقوں کی جماعت ہوتی ہے اور ان دونوں کے درمیان ایک بہت ہی باریک پردہ ہوتا ہے۔ جیسا کہ فرمایا بَيْنَهُمَا بَرْزَخٌ لَّا يَبْغِيٰنِ یعنی گو دنیا کو وہ دریا ایک ہی نظر آتا ہے مگر دراصل اس میں دو قسم کے پانی ہیں ایمان کا بھی اور نِفاق کا بھی۔ مؤمن کوشش کرتے ہیں کہ منافقوں کو سیدھا کریں اور راہِ راست پر لے آئیں مگر ان کی باتیں ان کو اور بھی گمراہ کرنے کا موجب ہو جاتی ہیں اور منافق کوشش کرتے ہیں کہ مؤمنوں کو گمراہ کریں۔ مگر ان کی تدبیریں مؤمنوں کے ایمان کو اَور بھی بڑھانے کا باعث ہو جاتی ہیں۔ سورۃ بقرہ میں خدا تعالیٰ فرماتا ہے فَزَادَهُمُ اللّٰهُ مَرَضًا[3] یعنی اللہ تعالیٰ اپنے نشانوں سے منافقوں کے مرض کو بڑھاتا ہے۔ پھر سورۃ احزاب میں ہے کہ منافقوں نے آکر مسلمانوں کو ڈرانا شروع کیا اور کہا کہ کُفر بہت ترقی کر گیا ہے اور کہ کافر چاروں طرف سے حملہ آور ہو رہے ہیں اور اب ایسا وقت آ گیا ہے کہ مسلمان بالکل تباہ ہو جائیں مگر یہ باتیں سُن کر اور کفار کا لشکر دیکھ کر بجائے اس کے کہ مؤمن ڈرتے ان کے ایمان اور بھی بڑھ گئے وَمَا زَادَهُمْ اِلَّآ اِيْمَانًا وَّتَسْلِيْمًا[4] ان امور نے مؤمنوں کے ایمان اور ان کی فرمانبرداری کو اور بھی بڑھا دیا۔ غرض نشان ایک ہی ہوتا ہے مگر دو قسم کے لوگوں کیلئے وہ دو مختلف نتائج پیدا کرتا ہے۔ ایک فریق اس کی وجہ سے ایمان میں ترقی کرتا ہے اور دوسرا نِفاق میں۔

غرض دنیا کی نگاہ میں گو الٰہی سلسلہ ایک دریا کی طرح بہتا ہوا نظر آتا ہے اور سب دیکھنے والے اسے ایک ہی سمجھتے ہیں لیکن خدا تعالیٰ کی نظر میں وہ جُدا جُدا دریا ہوتے ہیں۔ کئی نادان کہتے ہیں کہ یہ دونوں فریق ایک ہی ہے اور ان میں کیا اختلاف ہے۔ مگر خدا تعالیٰ فرماتا ہے کہ بَیْنَہُمَا بَرْزَخٌ لَّا یَبْغِیٰنِ ؁۲۱ نہیں۔ وہ اصل میں بالکل الگ الگ ہیں اور ان کے درمیان خدا تعالیٰ کی طرف سے ایک پردہ حائل ہے۔ منافق مؤمن کے حالات کو نہیں پا سکتا اور مؤمن منافق کی ذلتوں سے حصہ نہیں لیتا۔ اللہ تعالیٰ کی سنت یہی ہے کہ وہ ایسے نشان بھیجتا ہی رہتا ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ قرآن کریم میں فرماتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کو اِس بات نے نشانات ظاہر کرنے سے نہیں روکا کہ دنیا میں جب بھی وہ ظاہر ہوئے ان کا انکار کیا گیا۔ وَمَا مَنَعَنَآ اَنْ نُّرْسِلَ بِالْاٰیٰتِ اِلَّآ اَنْ کَذَّبَ بِھَا الْاَوَّلُوْنَ [5] یعنی ہمیں اس بات کے سوا نشان بھیجنے سے کس امر نے روکا ہے کہ جب پہلے زمانوں میں نشانات ظاہر ہوئے تو لوگوں نے انہیں نہیں مانا۔ مطلب یہ کہ یہ روک کوئی روک نہ تھی اس لئے ہم پھر بھی نشانات بھیجتے ہی رہے کیونکہ نشانات تو ماننے والوں کے لئے ہوتے ہیں اور وہی لوگ خدا تعالیٰ کی جماعت ہیں۔ سو جب نشانات ان کو فائدہ پہنچاتے ہیں تو دشمنوں کے انکار کی وجہ سے دوستوں کو فائدہ سے کیوں محروم کیا جائے۔

اِن نشانوں میں سے جو اللہ تعالیٰ نے نبیوں کی جماعتوں کی صداقت کے اظہار کیلئے مقرر کئے ہیں ایک یہ بھی ہے کہ جب بھی کوئی ان کا مقابلہ کرنے کیلئے کھڑا ہوتا ہے وہ جھوٹ کا ہتھیار ضرور استعمال کرتا ہے اور بِالعموم ایسے لوگوں کے دعوؤں کی بنیاد جھوٹ اور فریب پر ہوتی ہے اور ان کے مقابلہ پر مؤمنوں کی بنیاد بِالعموم صداقت پر ہوتی ہے۔ بِالعموم میں نے اس لئے کہا کہ ان میں بھی بعض کمزور لوگ ہوتے ہیں جو مصائب کا مقابلہ نہیں کر سکتے اور بعض اوقات جھوٹ بول جاتے ہیں۔ مگر ان کا جھوٹ عارضی ہوتا ہے مستقل نہیں۔ مگر مقابلہ کرنے والوں کا جھوٹ مستقل ہوتا ہے اور وہ بھی عَلَی الْاِعلان اپنی قوم کی طرف سے ایسا جھوٹ بولتے ہیں کہ ہر شریف الطبع محسوس کر لیتا ہے کہ وہ ایسی خلاف بیانی کرتے ہیں جو مؤمن نہیں کر سکتے۔

حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے دعویٰ کیا تو دشمن نے کہا کہ آپ جھوٹے ہیں۔ حالانکہ اگر آپ نَعُوْذُ بِاللّٰہِ جھوٹے ہوتے تو سچ سے آپ کو مغلوب کرنا آسان تھا۔ اگر وہ دعوے

جو آپ نے کئے قرآن کریم سے ثابت نہیں ہوتے تھے تو آسان طریق یہ تھا کہ قرآن کریم یا احادیث صحیحہ سے ان کا غلط ہونا ثابت کر دیا جاتا۔ پس دشمن کیلئے یہ راہ بالکل آسان تھی کہ وہ ان آیتوں اور حدیثوں کو پیش کرتا جو اِن دعووں کے خلاف تھیں مگر اس نے ایسا کرنے کے بجائے آپ کی طرف جھوٹے دعوے اور جھوٹے کام منسوب کئے۔ مثلاً حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے نبوت کا دعویٰ کیا تو ساتھ ہی یہ بھی فرمایا کہ میں ایسا نبی نہیں ہوں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے حلقۂ اطاعت سے باہر جاؤں بلکہ میں آپ کے دین اور قرآن کریم کی اشاعت کیلئے مبعوث کیا گیا ہوں۔ لیکن دشمنوں نے لوگوں کو یہ بتایا کہ آپ نے نبوت کا دعویٰ کر کے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ہتک کی ہے یا پھر یہ کہ آپ نے فرمایا کہ حضرت مسیح ناصریؑ اللہ تعالیٰ کے رسول ہیں۔ مگر خدائی صفات جو آپ کی طرف منسوب کی جاتی ہیں وہ آپ میں نہیں تھیں۔ اور اس پر دشمنوں نے یہ کہنا شروع کر دیا کہ آپ نے حضرت مسیحؑ کی ہتک کی ہے۔ حالانکہ اگر آپ کا یہ دعویٰ غلط تھا کہ حضرت مسیح ناصری علیہ السلام کی طرف ایسے معجزات منسوب کرنا جن سے شرک پیدا ہوتا ہے غلطی ہے تو اس کا ردّ آسان تھا اور وہ اس طرح کہ قرآن کریم سے یہ ثابت کر دیا جاتا کہ بندے مُردوں کو زندہ کر سکتے ہیں یا یہ کہ انبیاء کو ایسا علمِ غیب حاصل ہوتا ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ کو ہے۔ مگر یہ آسان راہ اختیار کرنے کی بجائے دشمنوں نے آپ کی طرف ایسے دعوے منسوب کئے جو آپ نے نہیں کئے تھے اور آپ کی کتابوں سے حوالے کانٹ چھانٹ کر آپ کی طرف ایسی باتیں منسوب کیں جو دراصل آپ نے نہیں کہی تھیں۔ چنانچہ مولوی محمد حسین صاحب بٹالوی نے ایک رسالہ لکھا اور گورنمنٹ کو بھجوایا جس میں یہ ثابت کرنے کی کوشش کی گئی تھی کہ آپ گویا گورنمنٹ کے مخالف ہیں۔ اور اس میں آپ کی کتابوں سے بعض حوالے کانٹ چھانٹ کر اور کوئی ٹکڑا عبارت کا کہیں سے لے کر اور کوئی کہیں سے درج کر دیئے مگر آج اس کے برخلاف دشمن یہ کہتے ہیں کہ آپ گورنمنٹ کے خوشامدی تھے اور آپ کی کتابوں کی ایسی تیس الماریاں بھری پڑی ہیں جن میں آپ نے گورنمنٹ کی وفاداری کی تعلیم دی ہے اور گورنمنٹ کی خوشامد سکھائی ہے۔ گویا پہلے بغاوت کا حربہ استعمال کیا لیکن اب یہ دیکھ کر کہ وہ حربہ اب کارآمد نہیں ہوسکتا، کیونکہ لوگوں میں بیداری پیدا ہو چکی ہے اور قومی خیالات

ترقی کر رہے ہیں، تو یہ پہلو اختیار کر لیا کہ آپ خوشامدی تھے۔

تو یہ دونوں قسم کے اعتراضات کئے گئے حالانکہ ان دونوں میں اتنا ہی فرق ہے جتنا زمین و آسمان میں بلکہ اس سے بھی زیادہ۔ کیونکہ زمین آسمان تو ایک وقت میں موجود ہیں لیکن یہ باتیں تو بالکل متناقض ہیں۔ اگر کوئی شخص دشمن ہو تو وہ خوشامد نہیں کر سکتا اور اگر خوشامدی ہو تو دشمن نہیں ہو سکتا لیکن ان لوگوں کو تو دیانت سے تعلق نہ تھا۔ جب دیکھا کہ ملک میں بیداری ہے اور پبلک کو جوش دلانے سے فائدہ ہے تو کہہ دیا کہ آپ خوشامدی تھے۔ مگر جب پبلک گورنمنٹ کے خلاف نہ تھی اور یہ سمجھا جاتا تھا کہ گورنمنٹ کو جماعت احمدیہ کے خلاف کرنے میں فائدہ ہے تو اُس وقت یہ کہہ دیا کہ آپ گورنمنٹ کے مخالف ہیں۔ غرض جب گورنمنٹ مضبوط تھی اور لوگوں میں قومی خیالات نہ پائے جاتے تھے اُس وقت گورنمنٹ کو آپ کے خلاف کرنا چاہا اور جب گورنمنٹ میں کمزوری پیدا ہوئی اور پبلک میں قومی خیالات ترقی کرنے لگے تو خوشامدی کہنا شروع کر دیا۔ اور یہ کہ آپ کو حکومت نے ہی کھڑا کیا ہے۔ لیکن عقلمند جانتے ہیں کہ یہ دونوں باتیں غلط اور جھوٹ ہیں۔

اس زمانہ میں میرے متعلق بھی یہی طریق استعمال کیا گیا ہے۔ ایک زمانہ تھا جب میرے متعلق کہا جاتا تھا کہ یہ گورنمنٹ کا خوشامدی ہے اور اب یہ کہا جاتا ہے کہ گورنمنٹ کا دشمن ہے۔ یہ بعینہٖ وہی بات ہے۔ فرق صرف یہ ہے کہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کو پہلے مخالف اور بعد میں خوشامدی کہا گیا اور مجھے پہلے خوشامدی اور بعد میں مخالف کہا گیا۔ پہلے مجھے حکومت کا خوشامدی کہا جاتا تھا مگر بعد میں جب دیکھا کہ حکومت کے بعض افسر ہمارے دشمن ہیں تو مجھے حکومت کا دشمن کہنے لگے۔ اِس خیال سے کہ اس طرح بعض حکام بھی ان کے ساتھ شامل ہو جائیں گے۔ پھر ان فتنوں میں دیکھ لو جو مذہبی لحاظ سے اُٹھے ہیں کس طرح خلافِ واقعہ اور غلط حوالے پیش کئے جا رہے ہیں۔ ایک جگہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے لکھا ہے کہ مسلمانوں میں خیال ہے کہ حضرت عیسیٰؑ جب دوبارہ دنیا میں آئیں گے تو اسلام پر عمل کریں گے حالانکہ جب وہ مستقل نبی ہیں تو وہ اپنے دین پر عمل کریں گے۔ یہ بنیاد قائم کر کے آپ لکھتے ہیں کہ اسلام کیلئے وہ کیسا مصیبت کا وقت ہوگا جب اس میں ایک ایسا نبی آئے گا کہ مسلمان تو

مسجدوں کی طرف نماز پڑھنے جارہے ہوں اور وہ گرجا کی طرف جارہا ہو، مسلمان تو قرآن کی تلاوت کررہے ہوں اور وہ انجیل پڑھ رہا ہو۔ (مفہوم عبارت)۔ پیغامی جب جماعت سے علیحدہ ہوئے تو انہوں نے اس حوالہ کو بگاڑ کر یوں شائع کیا کہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام تو فرماتے ہیں کہ مسلمانوں کیلئے وہ کیسا مصیبت کا وقت ہوگا جب ان میں ایک نبی آئے گا۔ انہوں نے ''ایسا'' کو کاٹ کراس کی جگہ ''ایک'' لکھ دیا اوراس طرح اس کے یہ معنے کر لئے کہ اب کسی قسم کا بھی نبی نہیں آسکتا حالانکہ ''ایسا'' کا لفظ بتارہا ہے کہ ایک خاص قسم کے نبی کے متعلق آپ یہ فرمارہے ہیں۔ تو انہوں نے ''ایسا'' کاٹ کر آرام سے اس کی جگہ ''ایک'' کا لفظ لکھ دیا۔ ہر ایک شخص کے پاس کتاب نہیں ہوتی۔ پس انہوں نے سمجھا کہ اس طرح بہت سے لوگ دھوکا کھاتے چلے جائیں گے اَور حوالوں میں بھی ان کا یہی رویہ رہا ہے۔ ابتدائی کتب کے حوالے لوگوں کو دکھادیتے ہیں اور آخری کتب کے حوالوں کو چُھپا لیتے ہیں۔

کل ہی ایک دوست ڈاکٹر عبدالغفور صاحب کی لاش یہاں لاکر دفن کی گئی ہے۔ جن دنوں وہ سلسلہ کے بارہ میں تحقیق کررہے تھے اُنہیں ڈلہوزی جانے کا اتفاق ہوا۔ مولوی محمد علی صاحب بھی وہاں تھے۔ وہ ان سے ملنے گئے اور نبوت کے بارہ میں گفتگو شروع کی تاکہ اس مسئلہ کے بارہ میں بھی کوئی فیصلہ کرسکیں۔ انہوں نے بعض حوالے اپنے مطلب کے ڈاکٹر صاحب کو دکھائے۔ چونکہ ڈاکٹر صاحب مرحوم بعض ہمارے دوستوں سے بھی حوالہ جات سُن چکے تھے۔ انہوں نے مولوی صاحب سے کہا کہ آپ ''حقیقۃ الوحی'' منگوائیں اور اس کی فلاں فلاں عبارت کو حل کریں۔ اس کے جواب میں جیسا کہ ڈاکٹر صاحب نے بعد میں ذکر کیا، مولوی صاحب نے جواب دیا کہ وہ کتاب میرے پاس یہاں نہیں ہے۔ ڈاکٹر صاحب نے اس پر حیرت کا اظہار کیا کہ دوسری کتب موجود ہیں مگر صرف وہ کتاب نہیں ہے جسے حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے اپنی تعزیراتِ ہند قرار دیا ہے۔ اوران پر اس امر کا خاص اثر ہوا کہ ان کتب کو بھی یہ لوگ نہیں رکھتے جن سے ان کے عقیدوں کے خلاف ثبوت ملتا ہے۔ آخر انہوں نے ۱۹۳۵ء یا ۱۹۳۶ء میں میری بیعت کرلی۔ تو انسان کے مدنظر جب صداقت ہو تو سب قسم کی باتیں سامنے لانی چاہئیں۔ کوئی بات چھُپانے کی ضرورت نہیں مگر بعض لوگ چونکہ خاص مقاصد

ان کے مدنظر ہوتے ہیں، جان بوجھ کر غلط حوالہ جات پیش کر دیتے ہیں اور یہی ثبوت ہوتا ہے اس بات کا کہ ان کے پاس دلائل کوئی نہیں ہیں ورنہ انہیں جھوٹ کی کیا ضرورت تھی۔

اب میں دیکھتا ہوں کہ مصری صاحب کے فتنہ میں بھی وہی طریق اختیار کیا جا رہا ہے۔ صریح طور پر وہی باتیں پیش کی جارہی ہیں جن کے متعلق ہر عقلمند جانتا ہے کہ غلط ہیں۔ اور ایسے حوالے پیش کئے جارہے ہیں کہ اگر ایک بچہ کے سامنے بھی رکھ دیئے جائیں تو وہ کہے گا یہ غلط ہیں۔ کسی غیر احمدی کے سامنے دونوں حوالے رکھ دو اور یہ نہ بتاؤ کہ میرا کون سا ہے اور ان کا کون سا، اور اس سے پوچھو کہ کیا میرے الفاظ کا وہی مفہوم ہے جو وہ پیش کرتے ہیں۔ تو وہ فوراً کہہ دے گا کہ ہرگز نہیں۔ بالکل جھوٹ ہے۔

یہی فخر الدین صاحب اور عزیز احمد صاحب کا واقعہ ہے۔ اس مقدمہ میں ہائیکورٹ نے ایک فیصلہ کیا اور اس کی بناء پر ان لوگوں نے شور مچانا شروع کر دیا کہ ہائیکورٹ نے یہ فیصلہ کیا ہے کہ مرزا محمود احمد کے خطبات کے نتیجہ میں یہ قتل ہوا ہے۔ اس میں شک نہیں کہ جس رنگ میں وہ فیصلہ کیا گیا اور جس رنگ میں اس کا استعمال ہوا اس سے ہم بھی متأثر ہوئے تھے اور میں نے بھی ایک مضمون لکھا تھا کہ فیصلہ میں بعض ایسے الفاظ ہیں جن کے معنے بعض لوگوں کیلئے صاف نہیں۔ غرض اُس وقت ان الفاظ سے غلط مفہوم لینے کا امکان تھا اور اس وجہ سے غلط معنے کرنے والوں پر یقینی طور پر بد دیانتی کا الزام نہیں لگایا جا سکتا تھا۔ مگر اب جبکہ ہائیکورٹ کے فاضل ججوں نے اِس غلط فہمی کو دُور کر دیا ہے اگر ان الفاظ کو اسی رنگ میں استعمال کیا جائے تو ہر شخص تسلیم کرے گا کہ یہ صاف بد دیانتی ہے۔

حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے لکھا ہے کہ حضرت مسیح ناصری علیہ السلام کو آسمان پر زندہ ماننا شرک ہے۔[۶] اس پر مخالف کہتے ہیں کہ ان تمام بزرگانِ سلف کو جو اس عقیدہ کے تھے آپ نے مشرک کہا ہے۔ ہم کہتے ہیں کہ جب تک ایک مامور نے آ کر اس غلطی کو واضح نہیں کیا اُس وقت تک یہ ایک نہایت مخفی شرک تھا جو صرف اجتہادی غلطی کہلا سکتا تھا اور ایسا عقیدہ رکھنا لوگوں کو گنہگار نہیں بناتا تھا کیونکہ لوگوں کی توجہ پھیری نہیں گئی تھی کہ یہ شرک ہے۔ لیکن مامور کی طرف سے اس کی وضاحت کے بعد ایسا عقیدہ رکھنا کھلا شرک بن گیا پس اب اس کا معتقد گنہگار کہلائے گا۔

پس پہلے بزرگ گنہگار نہیں تھے اور اس زمانہ کے لوگ گنہگار ہیں۔ اسی طرح جب تک ہائیکورٹ نے اپنے الفاظ کی وضاحت نہیں کی تھی اس قسم کا مفہوم لینا بد دیانتی نہیں کہلا سکتا تھا مگر اب کہ ججوں نے اپنے الفاظ کی وضاحت کر دی ہے، وہ مفہوم لینا بد دیانتی ہے۔ مگر ان لوگوں کی دیانت کا یہ حال ہے کہ وہ اب بھی یہی مفہوم لے رہے ہیں۔ ان کے ہمدرد اخبارات فیصلہ کو چھاپتے نہیں صرف یہ لکھ رہے ہیں کہ ہائیکورٹ نے درخواست مسترد کر دی مگر یہ نہیں بتاتے کہ کیوں درخواست مسترد کی گئی۔ اس کی مثال ایسی ہی ہے کہ جیسے زید بکر کے پاس ایک ہزار روپیہ امانت کے طور پر رکھے اور پھر کچھ عرصہ کے بعد اس کے پاس جائے کہ میں نے جو ایک ہزار روپیہ آپ کے پاس امانت رکھا تھا وہ مجھے واپس دے دیں۔ اِس پر بکر جواب دے کہ مجھے آپ کا پیغام اس سے پہلے مل چکا ہے اور میں نے اسی وقت فلاں آدمی کے ہاتھ روپیہ آپ کے گھر بھجوا دیا ہے۔ اس پر زید بجائے گھر جا کر روپیہ وصول کرنے کے لوگوں میں شور مچا دے کہ بکر میرا روپیہ دینے سے انکاری ہے۔ اس میں کیا شک ہے کہ الفاظ میں بکر یہی کہتا ہے کہ میں آپ کو روپیہ نہیں دیتا۔ مگر وہ یہ لفظ اس لئے نہیں کہتا کہ وہ امانت سے منکر ہے بلکہ اس لئے کہ وہ کہتا ہے کہ میں آپ کے آنے سے پہلے ہی روپیہ بھجوا چکا ہوں۔ بعینہٖ اسی طرح ہائیکورٹ نے میری درخواست کو مسترد کیا ہے۔ یعنی انہوں نے میری اس درخواست کے جواب میں کہ آپ کے فلاں الفاظ کے لوگ یہ معنے کرتے ہیں کہ گویا میں نے اپنے خطبات میں جسمانی سزا کی طرف اشارہ کر کے قتل کی انگیخت کی ہے اور ایسا میں نے ہرگز نہیں کیا اس لئے ان الفاظ کی اصلاح کی جائے۔ یہ فیصلہ کیا ہے کہ ہم نے ایسا ہرگز نہیں کہا اور لوگ ہماری طرف غلط بات منسوب کرتے ہیں۔ پس جبکہ ہماری عبارت کا وہ مفہوم نہیں جو لوگ لیتے ہیں تو ہمیں کوئی وجہ معلوم نہیں ہوتی کہ ہم اپنے الفاظ کو بدلیں۔ پس درخواست مسترد ہے۔ ہر دیانتدار آدمی جانے گا کہ یہ ویسی ہی مثال ہے جو میں اوپر بیان کر چکا ہوں۔ یعنی بکر زید کو روپیہ دینے سے اس لئے انکار کرتا ہے کہ وہ پہلے ادا کر چکا ہے۔ ظاہر ہے کہ ہائیکورٹ کے فاضل ججوں کیلئے میری درخواست کی منظوری کے متعلق دو ہی صورتیں ممکن تھیں۔ یا تو وہ کہتے کہ ہم خطبہ کا مطلب پہلے وہی سمجھتے تھے جو مصری اور ان کے ساتھیوں نے سمجھا لیکن اب ہم سمجھ گئے ہیں کہ ہم نے پہلے

جو بات سمجھی تھی وہ غلط تھی اس لئے اپنے الفاظ کاٹ دیتے ہیں۔ اور دوسری صورت یہ تھی کہ وہ یہ کہتے کہ ہم نے وہ الزام آپ پر لگایا ہی نہیں جو آپ یا دوسرے خیال کرتے ہیں کہ ہم نے لگایا ہے۔ پس چونکہ ہم نے ایسا کہا ہی نہیں اس لئے ہم اپنے الفاظ کو کاٹتے بھی نہیں۔ ظاہر ہے کہ مؤخرالذکر فیصلہ تو پہلی صورت سے بھی زیادہ ہمارے لئے مفید ہے کیونکہ اگر جج پہلی صورت اختیار کرتے تو کوئی کہہ سکتا تھا کہ خطبہ کے الفاظ ایسے مشتبہ تھے کہ ایک دفعہ تو ہائی کورٹ کے ججوں کو بھی غلطی لگ گئی مگر وہ تو کہتے ہیں کہ ہمیں تو پہلے بھی کوئی غلطی نہیں لگی۔ ہم پہلے بھی یہی سمجھتے تھے کہ ان الفاظ میں روحانی سزا کا ذکر ہے اور اب بھی یہی سمجھتے ہیں۔ اور جب ہم نے پہلے بھی یہ نہیں سمجھا تو ہم کاٹیں کس بات کو۔ چنانچہ ان کا فیصلہ یہ ہے۔

”یہ درخواست مرزا بشیرالدین محمود احمد صاحب امام جماعت احمدیہ قادیان کی طرف سے اس غرض کیلئے دی گئی ہے کہ ہم نے فوجداری اپیل ۱۱۲ آف ۱۹۳۷ء کے فیصلہ میں جو ۳؍ جنوری ۱۹۳۸ء کو کیا گیا ہے بعض ریمارکس ایسے کئے تھے جنہیں حذف کر دیا جائے۔ مرافعہ گزار کے وکیل مسٹر سلیم نے ہماری توجہ اس امر کی طرف مبذول کرائی ہے کہ ہمارے فیصلہ کے آخری پیراگراف کے ایک فقرہ کا غلط مطلب لے کر اسے امام جماعت احمدیہ کے خلاف پروپیگنڈا کے طور پر استعمال کیا جا رہا ہے۔ وہ فقرہ یہ ہے ”اگر ہم اپیل کنندہ کے وکیل کے اس استدلال کو قبول بھی کریں کہ خلیفہ صاحب کا سزا سے مقصد روحانی سزا تھا تو بھی یہ یاد رکھنا چاہئے کہ مذہبی راہنماؤں کے بعض پُرجوش پیروؤں کیلئے روحانی اور جسمانی سزا میں امتیاز کرنا مشکل ہو جاتا ہے۔ بہرِنوع اِس مُلک میں ایسے مذہبی دیوانے موجود ہیں جو ایسی سزاؤں کی تکمیل کیلئے اپنے آپ کو خدا کا آلۂ کار سمجھتے ہیں“۔

کہا گیا ہے کہ خلیفہ صاحب کے مخالف اس فقرہ کا یہ مطلب لے رہے ہیں کہ خلیفہ صاحب کی اس تقریر میں جس کا ہم نے ذکر کیا تھا سزا سے روحانی سزا مراد نہیں بلکہ جسمانی سزا مراد تھی اور فِی الحقیقت اس میں تشدد کی تلقین کی گئی تھی“۔

اس کے بعد جج کہتے ہیں کہ:

''اس فقرہ کا یہ مفہوم درست نہیں۔ لیکن اس معاملہ کو اچھی طرح واضح کرنے کیلئے نیز خلیفہ صاحب کے متعلق انصاف کو ملحوظ رکھنے کیلئے (In Justiceto کا یہ ترجمہ صحیح نہیں۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ خلیفہ صاحب کے متعلق انصاف کا تقاضا پورا کرنے کیلئے) ہم یہ قرار دیتے ہیں کہ ہم نے وکیل کے اس بیان کو صحیح تسلیم کیا تھا کہ خلیفہ صاحب کی تقریر میں جسمانی طور پر نہیں بلکہ روحانی طور پر سزا کا ذکر تھا۔ ہم نے دراصل اِس مُلک میں اس قسم کی تقریروں کے متعلق اس خطرہ کا اظہار کیا تھا کہ کسی مذہبی راہنما کے پُرجوش پیروان دو قسم کی سزاؤں میں مشکل سے تمیز کر سکتے ہیں''۔

یعنی ہمارا واعظانہ رنگ تھا۔ اِس ملک میں لوگ عام طور پر جاہل ہیں اور عین ممکن ہے کہ کسی تقریر میں کسی مذہبی بزرگ کی مراد سزا سے روحانی ہو مگر اس کے جاہل مریدوں میں سے کوئی اس بات کو نہ سمجھ سکے اور وہ جسمانی سزا مراد لے لے۔ پھر وہ لکھتے ہیں کہ:-

''ہم اپنے فیصلہ کے کسی حصہ کو حذف کرنے کی ضرورت محسوس نہیں کرتے (یعنی جب ہم نے وہ بات کہی ہی نہیں تو حذف کس کو کریں) لیکن ہم سمجھتے ہیں کہ ہمارے اس فیصلہ کو جس رنگ میں استعمال کیا جا رہا ہے۔ اس کے پیش نظر یہ ضروری ہے کہ آخری حصہ کے مفہوم کی ایسی تشریح کر دی جائے کہ اس کا مطلب غلط نہ لیا جا سکے۔ چنانچہ اس غرض کے لئے ہمارا یہ فیصلہ فوجداری اپیل ۱۱۲ آف ۱۹۳۷ء کے متعلق ہمارے فیصلہ کے حصہ کے طور پر پڑھا جانا چاہئے۔ درخواست خارج کی جاتی ہے''۔

گویا وہ قرار دیتے ہیں کہ آئندہ پہلے فیصلہ کو علیحدہ کوئی شائع نہیں کر سکتا بلکہ اسے ساتھ لگانا ضروری ہے تا ہر پڑھنے والا سمجھ سکے کہ ہمارا کیا مطلب ہے۔ اور وہ قرار دیتے ہیں کہ ہماری اس تشریح کے بغیر جو شائع کرے گا وہ مجرم ہوگا۔ یہ الفاظ کہ درخواست خارج کی جاتی ہے تو ٹیکنیکل اور اصطلاحی الفاظ ہیں اور ان کا مطلب یہ ہے کہ ہم سے کہا گیا ہے کہ ہم ان الفاظ کو

منسوخ کر دیں مگر ہم نے وہ الفاظ چونکہ کہے ہی نہیں اس لئے منسوخ کیسے کریں۔ یہ بالکل وہی بات ہے کہ بکر زید سے کہتا ہے کہ میں تمہارا ایک ہزار روپیہ اس لئے نہیں دیتا کہ وہ میں تمہارے مکان پر بھجوا چکا ہوں اور اب تک وہ پہنچ بھی چکا ہوگا۔ لیکن زید کہے کہ بکر بددیانت ہے۔ اسی طرح جج کہتے ہیں کہ ہم درخواست کو مسترد کرتے ہیں۔ کیونکہ اس میں وہ بات حذف کرنے کو کہا گیا ہے جو ہم نے کہی ہی نہیں۔ اور دشمن جو کہتے ہیں کہ ہم نے یہ کہا ہے وہ جھوٹ بولتے ہیں۔ اور آئندہ کیلئے ہم یہ قرار دیتے ہیں کہ ہمارے اس فیصلہ کو بھی سابقہ فیصلہ کا جُز سمجھا جائے اور اِسے اُس کے ساتھ ملا کر پڑھا جائے۔ لیکن یہ لوگ عوام کو صرف یہ سناتے ہیں کہ مرزا صاحب کی درخواست مسترد ہوگئی۔ ان کے حامی اخبارات بھی یہ بات لکھ رہے ہیں اور یہاں قادیان میں مصری صاحب اور ان کے ساتھی بھی یہ کہتے ہیں کہ اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ درخواست مسترد ہوگئی۔ کیسی عجیب بات ہے۔ ہائیکورٹ کے جج تو یہ کہتے ہیں کہ مصری اور اس کے ساتھی جھوٹے ہیں۔ مگر یہ کہتے ہیں کہ اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ درخواست مسترد ہوگئی۔ ہم تو دعا کرتے ہیں کہ ایسی اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ کہنے کی توفیق ان کو روز ملتی رہے۔ حکومت اور غیر حکومت کے لوگوں کی طرف سے روز ان کو جھوٹا کہا جائے اور یہ روز اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ کہتے رہیں۔

مصری صاحب نے اس فیصلہ کے الفاظ سے مراد جسمانی سزا ہی لی تھی۔ چنانچہ اسی بناء پر انہوں نے مجھ پر اعانتِ قتل کا مقدمہ بھی دائر کر دیا۔ ان کی طرف سے مجھ پر تین مقدمات اعانتِ قتل کے دائر کئے گئے ہیں۔ پہلے ایک ڈسٹرکٹ مجسٹریٹ کی عدالت میں دائر کیا جو خارج کر دیا گیا۔ پھر اس کی اپیل عدالت سیشن میں کی جسے عدالت سیشن نے بھی خارج کر دیا اور لکھا کہ مستغیث کو چونکہ مرزا صاحب سے دشمنی ہے، اتنے عرصہ میں وہ جھوٹے گواہ تیار کر سکتا ہے۔ پھر ایک استغاثہ مجسٹریٹ علاقہ کی عدالت میں دائر کیا گیا جسے ڈسٹرکٹ مجسٹریٹ نے منگوا کر خارج کر دیا۔ ان باتوں سے ثابت ہوتا ہے کہ دشمن جھوٹ بولنے میں فخر محسوس کرتا ہے۔ باقی صرف ایک فقرہ ایسا رہ جاتا ہے اور وہ یہ کہ ججوں نے لکھا ہے کہ احتیاط کرنی چاہئے۔ مگر اس سے دشمن کوئی فائدہ نہیں اُٹھا سکتا۔ مُلکی قانون کے نگران مُلک میں امن کے قیام کو مدنظر رکھتے ہوئے الزام دیئے بغیر اگر عام نصیحت کریں تو یہ ان کا حق ہے۔ جب وہ تسلیم کرتے ہیں کہ میں نے

جسمانی سزا کا ذکر نہیں کیا تو اگر وہ یہ بھی سمجھتے ہیں کہ انہیں عام پبلک کے فائدہ کیلئے مجھے نہیں بلکہ سب مذہبی لیڈروں کو نصیحت کر دینی چاہیئے کہ ان کیلئے احتیاط ضروری ہے تو اس میں دشمن کیلئے خوشی کا کوئی موقع نہیں۔ آخر ہائیکورٹ کے جج یا حکومت کے بعض دوسرے افسر کسی موقع کے لحاظ سے اگر اظہار رائے کرنا چاہیں تو انہیں کون روک سکتا ہے۔ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی کسی تحریر کو پڑھ کر ایک احمدی تو کہہ دے گا کہ یہ بالکل اور حرف بحرف صحیح ہے لیکن جو شخص غیر احمدی ہے اور غیر متعصب بھی ہے وہ کسی حصہ کو صحیح اور کسی کو غلط کہے گا۔ تو کیا ہم کہہ سکتے ہیں کہ اُس نے ہتک کی؟ ہرگز نہیں۔ اِسی طرح ججوں کے یہ کہنے سے میری بھی کوئی ہتک نہیں ہوسکتی۔ سوال تو میری نیت اور ارادہ کا ہے۔ اس کو انہوں نے صاف کر دیا ہے۔ وہ تو یہ کہتے ہیں کہ ہوسکتا ہے کہ کوئی جاہل اِس سے یہ مطلب لے لے اس لئے صرف مجھے نہیں بلکہ ہندوستان میں عام طور پر مذہبی لیڈروں کو احتیاط کرنی چاہیئے۔ دشمن تو اِن الفاظ کی وجہ سے مجھ پر اعتراض کرتا ہے مگر میں بتاتا ہوں کہ اس سے تو میری حضرت مسیح موعود علیہ السلام سے ایک اور مشابہت پوری ہوگئی ہے۔ جس طرح مجھ پر مصری نے اعانتِ قتل کا مقدمہ دائر کیا، حضرت مسیح موعود علیہ السلام پر بھی ایسا مقدمہ کیا گیا تھا۔ میری نسبت کہا گیا ہے کہ میں نے ایسی تقریر کی جس کے نتیجہ میں قتل ہؤا۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی نسبت کہا گیا تھا کہ آپ نے ایک آدمی بھیجا ہے کہ فلاں شخص کو قتل کر آؤ۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے اس مقدمہ کا ذکر اپنی کتاب ''کتاب البریہ'' میں کیا ہے اور اس کے آخر میں اس مقدمہ کی روئیداد اور پھر فیصلہ درج کر دیا ہے اور اسے اپنا معجزہ اور انگریزی انصاف کا نمونہ قرار دیا ہے اور آج تک جماعت احمدیہ بھی اسے معجزہ کے طور پر شائع کرتی آئی ہے۔ اور جس افسر نے یہ فیصلہ کیا تھا اسے آج تک عزت کی نگاہ سے دیکھا جاتا ہے اور ولایت میں ہمیشہ پارٹیوں پر اُسے بلایا جاتا ہے۔ اس فیصلہ کے آخر میں اس جج نے جسے انگریزی زمانے کا پیلاطوس بلکہ اس سے بھی بڑھ کر کہا جاتا ہے، یہ الفاظ لکھے ہیں:

''ہم اس موقع پر مرزا غلام احمد کو بذریعہ تحریری نوٹس کے جس کو انہوں نے خود پڑھ لیا اور اس پر دستخط کر دیئے ہیں، باضابطہ طور پر متنبہ کرتے ہیں کہ

ان مطبوعہ دستاویزات سے جو شہادت میں پیش ہوئی ہیں یہ ظاہر ہوتا ہے کہ اس نے اشتعال اور غصہ دلانے والے رسالے شائع کئے ہیں۔ جن سے ان لوگوں کی ایذا متصور ہے۔ جن کے مذہبی خیالات اس کے مذہبی خیالات سے مختلف ہیں جو اثر کہ اس کی باتوں سے اس کے بے علم مُریدوں پر ہوگا اس کی ذمہ داری انہی پر ہی ہوگی اور ہم انہیں متنبہہ کرتے ہیں کہ جب تک وہ زیادہ تر میانہ روی اختیار نہ کریں گے وہ قانون کی رو سے بچ نہیں سکتے۔ بلکہ اس کی زد کے اندر آجاتے ہیں''۔ کے

اس فیصلہ کو حضرت مسیح موعود علیہ السلام معجزانہ قرار دیتے ہیں۔ کیونکہ اس میں اصل الزام کو غلط قرار دیا گیا ہے۔ مگر دیکھ لو کہ اس فیصلہ میں ویسے ہی لفظ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے بارہ میں لکھے گئے ہیں کہ جیسے مقدمہ بنام عزیز احمد میں میری نسبت لکھے گئے ہیں۔ بلکہ مسٹر ڈگلس کے لفظ زیادہ سخت ہیں۔ کیپٹن ڈگلس نے بھی یہ لکھا ہے کہ بے علم مرید حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی تحریروں سے دھوکا کھا سکتے ہیں اس لئے آپ کو احتیاط کرنی چاہئے۔ اور ہائیکورٹ میں بھی عام واعظانہ رنگ میں یہ بات کہی ہے کہ مذہبی لیڈروں کو احتیاط کرنی چاہئے۔ ہاں الفاظ کو مدنظر رکھتے ہوئے کہا جاسکتا ہے کہ کیپٹن ڈگلس نے ہائیکورٹ کے ججوں سے زیادہ سخت لفظ استعمال کئے ہیں۔ مگر پھر بھی مصری اور ان کے رفقاء خوش ہیں کہ مرزا محمود احمد کی ذلّت ہوگئی۔ اس کی اپیل مسترد ہوگئی۔ اگر یہ الفاظ سخت ہیں اور ان سے ہتک ہوتی ہے تو وہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے بارہ میں کیا اعتقاد رکھتے ہیں؟

پنجابی میں کہتے ہیں کہ ''دھی اے نی میں تینوں کواں۔ نو ہیں نی تُو کَن رکھ''۔ یعنی ماں اپنے بیٹے کے ڈر کی وجہ سے کہ وہ لڑائی کرے گا اور بیوی کی مدد کرے گا بہو کو تو کچھ نہیں کہتی بلکہ گالیاں دیتے وقت اپنی لڑکی کو مخاطب کر لیتی ہے اور دراصل اس کا مقصد یہ ہوتا ہے کہ بہو کو سنائے۔ میں سمجھتا ہوں یہی حال ان لوگوں کا ہے۔ اصل میں یہ لوگ حضرت مسیح موعود علیہ السلام سے بدظن ہو چکے ہیں۔ مگر آپ کو براہ راست گالیاں دیں تو جماعت ان سے بدظن ہو جائے اس لئے یہ لوگ ایسے امور کو سامنے رکھ کر جن میں مجھے حضرت مسیح موعود علیہ السلام سے مشابہت ہے، مجھے

گالیاں دیتے ہیں اور اس طرح حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو گالیاں دینے کیلئے راستہ صاف کرتے ہیں۔ اگر ان میں تقویٰ ہوتا تو وہ یہ غور کرتے کہ آخر اِس شخص کو ہر بات میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام سے کیوں مشابہت حاصل ہو رہی ہے اور سمجھتے ہیں کہ آخر کیا بات ہے کہ جو مجھ پر اعتراض کرتا ہے وہ مجبور ہے کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام پر بھی اعتراض کرے۔

مصری صاحب نے اپنے اشتہار ''بڑا بول'' میں میرے ان الفاظ کو کہ ''مجھے یہ یقین ہے کہ جو شخص مجھے چھوڑتا ہے وہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو چھوڑتا ہے اور جو حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو چھوڑتا ہے وہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو چھوڑتا ہے اور جو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو چھوڑتا ہے وہ خدا تعالیٰ کو چھوڑتا ہے''، ''بڑی تعلّی اور بڑا غلوّ'' کہا ہے۔ مگر وہ دیکھ لیں کہ جو اعتراض وہ مجھ پر کرتے ہیں اس سے زیادہ سخت اعتراض حضرت مسیح موعود علیہ السلام پر پڑتا ہے یا نہیں۔ اور یہ امر اس الٰہی قانون کے ماتحت ہے کہ جب تم ایک صداقت پر حملہ کرو تو وہ حملہ ضرور دوسری صداقت پر بھی پڑھتا ہے۔ خلاصہ یہ کہ اگر اس قسم کے فقروں سے ذلّت ہوسکتی ہے جو ہائیکورٹ کے فیصلہ میں تھے تو مصری صاحب حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے متعلق کیا کہتے ہیں۔ کیونکہ جو فقرے میرے متعلق لکھے گئے ہیں ان سے زیادہ سخت حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے متعلق لکھے گئے ہیں۔

پس اس واقعہ سے تو میری حضرت مسیح موعود علیہ السلام سے مشابہت ثابت ہوتی ہے نہ یہ کہ مجھ پر اعتراض پڑتا ہے۔ بلکہ عقلمند انسان کیلئے تو اس فیصلہ میں ایک سے زیادہ مشابہتیں ہیں۔

۱۔ وہ مشابہت ہے جو میں بتا چکا ہوں۔ یعنی ایک ہی قسم کے الفاظ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے متعلق اور میرے متعلق عدالت نے استعمال کئے ہیں۔

۲۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام پر بھی سازش قتل کا الزام لگایا گیا اور میرے متعلق بھی، اور اسی سلسلہ میں یہ الفاظ لکھے گئے۔

۳۔ جن مجسٹریٹ صاحب نے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے متعلق اس قسم کے الفاظ استعمال کئے تھے ان کا نام کیپٹن ڈگلس تھا۔ اور جس جج نے میرے متعلق اس قسم کے لفظ استعمال کئے ہیں ان کا نام بھی سر ڈگلس ہے۔

اب تم غور کرو کہ یہ باریک سے باریک مشابہتیں کون پیدا کرا رہا ہے۔ قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو مخاطب کر کے فرماتا ہے کہ موسیٰ کی پیشگوئیاں جو تیرے حق میں پوری ہو رہی ہیں کیا تو مدین میں موجود تھا یا تو طُور پر موجود تھا کہ موسیٰ سے یہ باتیں تُو نے کہلا لیں۔[8] اسی طرح میں بھی کہتا ہوں کہ میں تو اُس وقت بچہ تھا۔ کیا میں نے مارٹن کلارک اور دوسرے پادریوں کو کہہ دیا تھا کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام پر ایسا مقدمہ کریں، پھر کیا میں نے عبدالحمید کو اس قسم کا بیان دینے کیلئے تیار کر لیا تھا؟ اور پھر میں نے گورنمنٹ کو کہہ دیا کہ ڈگلس نام کے ایک مجسٹریٹ کی عدالت میں اس کی سماعت کرائے؟ اور پھر کیا اب بھی میں نے یہ کوشش کی تھی کہ اس نام کے چیف جسٹس اس صوبہ میں آئیں اور وہ مقدمہ عزیز احمد کی سماعت خود کریں؟ پھر کیا میں نے ہی مصری صاحب سے کہا تھا کہ وہ مجھ پر قتل کا دعویٰ کر دیں تاکہ میری مشابہت حضرت مسیح موعود علیہ السلام سے ثابت ہو جائے؟ اگر یہ سب باتیں منصوبہ ہیں تو پھر مصری صاحب بھی اس میں شامل ہیں اور وہ مخالفت سے نہیں بلکہ جان بوجھ کر مجھ سے الگ ہوئے ہیں تاکہ وہ ایسی مشابہت کے سامان پیدا کریں۔

کہا جا سکتا ہے کہ جس مجسٹریت نے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے مقدمہ کا فیصلہ کیا تھا، ان کے نام کا آخری حصہ ڈگلس تھا۔ اور موجودہ چیف جسٹس کے نام کا یہ پہلا حصہ ہے اور یہ فرق ہے۔ سو یاد رکھنا چاہئے کہ خدا تعالیٰ نے اس کا علاج بھی کر دیا ہے اور وہ یہ کہ جن صاحب نے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے مقدمہ کا فیصلہ کیا تھا وہ مسٹر تھے اور چیف جسٹس صاحب نائٹ[9] ہیں۔ اور انگریزی قوم کا دستور ہے کہ جو نائٹ نہ ہوں اُن کے نام کا آخری حصہ بولا جاتا ہے اور جو نائٹ ہوں اُن کے نام کا پہلا حصہ پکارا جاتا ہے۔ اس طرح بولنے میں وہ صاحب کیپٹن ڈگلس کہلائیں گے اور چیف جسٹس صاحب سر ڈگلس کہلائیں گے اور نام کی مشابہت بولنے کے ذریعے سے پوری طرح قائم رہے گی۔

غرض اس مقدمہ نے بھی میری حضرت مسیح موعود علیہ السلام سے مشابہت ثابت کی ہے اور یہ امر دشمن کیلئے یقیناً ذلت کا موجب ہے مگر ان سب باتوں کے باوجود مصری صاحب اور ان کے ساتھی یہی کہتے پھرتے ہیں کہ اپیل مسترد ہو گئی، بڑی ذلّت ہوئی حالانکہ یہ اِسترداد

بالکل ایسا ہی ہے جیسے ہم کسی سے کہیں کہ معافی مانگو تم نے گالی دی ہے۔ تو وہ کہے کہ میں نے تو گالی دی ہی نہیں معافی کیسی مانگوں۔ اگر تو ہائیکورٹ کے جج کہتے ہیں کہ اس خطبہ میں سزا سے مراد جسمانی سزا ہی ہے مگر ہم اپنے الفاظ واپس نہیں لے سکتے پھر تو مصریوں کا اعتراض صحیح ہوسکتا تھا۔ مگر جب وہ کہتے ہیں کہ ہم نے تو یہ الفاظ کہے ہی نہیں تو پھر صرف یہ کہتے چلے جانا کہ درخواست مسترد ہوگئی، کس قدر دھوکا ہے۔ ان لوگوں کی دیانتداری اور تقویٰ کا حال اور بہت سی باتوں سے بھی معلوم ہوسکتا ہے۔ مثلاً یہ کہ یہ لوگ واقعات کو بالکل غلط رنگ میں پیش کرتے ہیں اور چھپے ہوئے حوالہ جات کو پیش کرتے ہوئے بھی بددیانتی سے نہیں رُکتے۔ مثلاً شیخ مصری صاحب نے مجھ پر جو استغاثہ دائر کیا تھا اُس میں مجھ پر یہ الزام لگایا ہے کہ گویا میں نے خطبات کے ذریعہ سے قتل کی تحریک کی ہے اور ثبوتوں میں سے ایک ثبوت کے طور پر ۲۳ رمئی ۱۹۳۷ء کے ایک خطبہ کو پیش کیا تھا اور لکھا تھا کہ مرزا محمود احمد نے اپنے اس خطبہ میں کہا ہے کہ ''یاد رکھو دنیا میں قیامِ امن دو ذرائع سے ہوتا ہے یا اُس وقت جب مار کھانے کی طاقت انسان میں پیدا ہوجائے یا جب دوسرے کو مارنے کی طاقت انسان میں پیدا ہوجائے۔ درمیانی دوغلہ کوئی چیز نہیں۔ اگر اِن دونوں عقیدوں کے چالیس چالیس آدمی بھی میسر آجائیں تو ہم دنیا کو ڈرا سکتے ہیں۔ اگر چالیس آدمی ایسے میسر آجائیں جو مار کھانے کی طاقت اپنے اندر رکھتے ہوں تو وہ دنیا کو ڈرا سکتے ہیں اور اگر چالیس آدمی ایسے میسر آجائیں جو مارنے کی طاقت اپنے اندر رکھتے ہوں تو وہ بھی دنیا کو ڈرا سکتے ہیں۔ بہادر وہ ہے جو اگر مارنے کا فیصلہ کرتا ہے تو مار کر پیچھے ہٹتا ہے اور پکڑا جاتا ہے تو دلیری سے سچ بولتا ہے اور اگر مار کھانے کا فیصلہ کرتا ہے تو پھر جوش میں نہیں آتا اور اپنے نفس کو شدید اشتعال کے وقتوں میں بھی قابو میں رکھتا ہے۔ پس اگر تم جینا چاہتے ہو تو دونوں میں سے ایک اصل اختیار کرو۔

مَیں پھر ایک دفعہ کھول کھول کر بتا دیتا ہوں کہ شریفانہ اور عقلمندانہ طریق دو ہی ہوتے ہیں۔ یا انسان کو مرنا آتا ہو یا انسان کو مارنا آتا ہو۔ اگر کوئی انسان سمجھتا ہے کہ اس میں مارنے کی طاقت ہے تو میں اُس سے کہوں گا کہ اے بے شرم! تُو آگے کیوں نہیں جاتا اور اس منہ کو کیوں توڑ نہیں دیتا جس منہ سے تُو نے حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کو گالیاں دلوائی ہیں۔

گندے سے گندے الفاظ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے متعلق کہے جاتے ہیں۔تم خود دشمن سے وہ الفاظ کہلواتے ہو اور پھر تمہاری تگ و دَو یہیں تک آ کر ختم ہو جاتی ہے کہ گورنمنٹ سے کہتے ہو وہ تمہاری مدد کرے۔ وہ تمہارے صبر کو بُزدلی پر محمول کریں گے۔تمہارا گورنمنٹ کے پاس شکایت کرنا بالکل بے سود ہے''۔

یہ الفاظ ہیں جو مصری صاحب نے میری طرف منسوب کئے ہیں۔ حالانکہ حقیقت یہ ہے کہ یہ میرا خطبہ ''الفضل'' ۵؍جون ۱۹۳۷ء میں دس صفحات پر شائع ہؤا ہے اور انہوں نے اس دس صفحہ کے خطبہ میں سے یہ الفاظ کہیں کہیں سے کاٹ کر لکھ دیئے ہیں۔ میں اس خطبہ کا موضوع بتا دیتا ہوں تا اس کے سمجھنے میں آسانی ہو۔ بات یہ ہے کہ یہاں آریوں کا ایک جلسہ ہؤا جس کے سلسلہ میں اُنہوں نے جلوس نکالا اور اُس میں ''لیکھرام زندہ باد'' کے نعرے لگائے۔اس پر ایک احمدی نے جو وہاں کھڑا تھا ''مرزا غلام احمد زندہ باد'' کے نعرے لگائے۔ اور بعض مقامی افسروں نے افسرانِ بالا کے پاس شکایت کی کہ احمدیوں نے اس موقع پر اشتعال انگیز رویہ اختیار کیا۔ میں اُس وقت سندھ میں تھا۔ میرے پاس ایک احمدی نے یہ شکایت لکھ کر بھیجی کہ مقامی پولیس والے ہمارے خلاف کیسی کیسی شرارتیں کر رہے ہیں کہ ایک احمدی نے ''مرزا غلام احمد زندہ باد'' کا نعرہ لگایا تھا مگر وہ یہ کہہ رہی ہے کہ اس نے ''لیکھرام مُردہ باد'' کہا تھا۔اس پر میں نے سندھ سے واپس آ کر یہ خطبہ پڑھا اور اس خطبہ کا مضمون یہ ہے کہ اس احمدی نے اگر ''مرزا غلام احمد زندہ باد'' کہا تو بھی غلطی کی اس لئے کہ اگر آریہ ہمارے کسی جلسہ میں آ کر ''لیکھرام زندہ باد'' کہیں تو ہمیں اُس پر غصہ آئے گا یا نہیں؟ اِسی طرح ان کے جلوس کے موقع پر ''مرزا غلام احمد زندہ باد'' کہنا بھی ان کیلئے اشتعال کا موجب تھا۔سو خطبہ کا مضمون تو یہ ہے مگر وہ کہتے ہیں کہ میں نے کہا ہے کہ جاؤ اور جا کر مخالفوں کو ماردو۔غور کرو اِن دونوں باتوں میں کوئی بھی جوڑ ہے؟ مَیں تو کہتا ہوں کہ اس احمدی کو ''مرزا غلام احمد زندہ باد'' بھی اس موقع پر نہیں کہنا چاہئے تھا۔مگر وہ کہتے ہیں کہ میں نے تلقین کی ہے کہ جاؤ اور جا کر مخالفوں کو ماردو۔

اب دیکھو میرے الفاظ کس طرح کاٹے گئے ہیں۔ میری عبارت یوں ہے:

(مصری صاحب کے نقل کردہ حصہ کو خالی چھوڑ دیا گیا ہے اور جو حصہ انہوں نے جان بوجھ کر چھوڑ دیا ہے تاکہ لوگوں کو دھوکا لگے اُس کے نیچے لکیر کھینچ دی گئی ہے تا دوستوں کو معلوم ہو جائے کہ کس قدر خیانت سے کام لیا گیا ہے)۔

''یاد رکھو دنیا میں قیامِ امن دو ذرائع سے ہوتا ہے یا اُس وقت جب مار کھانے کی طاقت انسان میں پیدا ہو جائے۔ یا جب دوسرے کو مارنے کی طاقت انسان میں پیدا ہو جائے۔ درمیانی دوغلہ کوئی چیز نہیں۔ اب جو کچھ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی تعلیم سے میں سمجھتا ہوں وہ یہ ہے کہ ہم میں مار کھانے کی طاقت ہونی چاہئے۔ بالکل ممکن ہے تم میں سے بعضوں کا خیال یہ ہو کہ ہم میں مارنے کی طاقت ہونی چاہئے۔ میں اسے غیر معقول نہیں کہتا۔ ہاں غلط ضرور کہتا ہوں۔ یہ ضرور کہتا ہوں کہ اس نے قرآن کو نہیں سمجھا، حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی تعلیم کو نہیں سمجھا۔ کیونکہ خدا تعالیٰ نے مارنے کیلئے جو شرائط رکھی ہیں وہ اِس وقت ہمیں میسر نہیں۔ پس کم سے کم میں اسے شرارتی یا پاگل نہیں کہوں گا۔ میں زیادہ سے زیادہ یہی کہوں گا کہ اس کی ایک رائے ہے جو میری رائے سے مختلف ہے۔ لیکن تمہاری یہ حالت ہے کہ تم میں سے ایک شخص کہتا ہے کہ دشمن کو سزا دینی چاہئے اور پھر جب وہ ہماری تعلیم کے صریح خلاف کوئی ایسی حرکت کر بیٹھتا ہے تو بھاگ کر ہمارے پاس آتا ہے اور کہتا ہے کہ مجھے بچانا، مجھے بچانا۔ آخر جماعت تمہیں کیوں بچائے۔ کیا تم نے جماعت کے نظام کی پابندی کی یا اپنے جذبات پر قابو رکھا اور اگر تم اس خیال کے قائل نہیں تھے تو پھر تمہیں ہمارے پاس بھاگ کر آنے کی کیا ضرورت ہے۔ تمہیں چاہئے کہ تم دلیری دکھاؤ اور اپنے جُرم کا اقرار کرو۔

(اوپر کی نشان کردہ عبارت کو مصری صاحب نے چھوڑ دیا ہے اور اگلی عبارت اس کے ساتھ جوڑ دی ہے۔)

اگر اِن دونوں عقیدوں کے چالیس چالیس آدمی بھی میسر آجائیں جو مار کھانے کی طاقت اپنے اندر رکھتے ہوں تو وہ دنیا کو ڈرا سکتے ہیں۔ اور اگر چالیس آدمی ایسے میسر آجائیں جو مارنے کی طاقت اپنے اندر رکھتے ہوں تو وہ بھی دنیا کو ڈرا سکتے ہیں۔

(اس کے آگے کی عبارت پھر انہوں نے چھوڑ دی ہے۔)

مگر تمہاری حالت یہ ہے کہ جب تم میں سے بعض دشمن سے کوئی گالی سنتے ہیں تو ان کے منہ سے جھاگ بھر آتی ہے اور وہ کُود کر اس پر حملہ کر دیتے ہیں۔ لیکن اُسی وقت ان کے پیر پیچھے پڑ رہے ہوتے ہیں۔ تم میں سے بعض تقریر کیلئے کھڑے ہوتے ہیں اور کہتے ہیں ہم مر جائیں گے مگر سلسلہ کی ہتک برداشت نہیں کریں گے لیکن جب کوئی ان پر ہاتھ اٹھاتا ہے تو پھر اِدھر اُدھر دیکھنے لگتے ہیں اور کہتے ہیں بھائیو کچھ روپے ہیں کہ جن سے مقدمہ لڑا جائے، کوئی وکیل ہے جو وکالت کرے۔ بھلا ایسے خنثوں [10] نے بھی کسی قوم کو فائدہ پہنچایا ہے۔

(اس کے بعد ذیل کی عبارت انہوں نے پہلی عبارت سے جوڑ دی ہے۔)

بہادر وہ ہے جو اگر مارنے کا فیصلہ کرتا ہے تو مار کر پیچھے ہٹتا ہے اور پکڑا جاتا ہے تو دلیری سے سچ بولتا ہے اور اگر مار کھانے کا فیصلہ کرتا ہے تو پھر جوش میں نہیں آتا اور اپنے نفس کو شدید اشتعال کے وقتوں میں بھی قابو میں رکھتا ہے۔ پس اگر تم جینا چاہتے ہو تو دونوں میں سے ایک اصل اختیار کرو۔

(اس کے بعد ذیل کی عبارت ہے جو مصری صاحب نے حذف کر دی ہے۔ اس کو ساتھ ملا کر پڑھو اور دیکھو کہ یہ مصلح ہونے کا دعویٰ کرنے والا کس تقویٰ کا مالک ہے۔)

جو کچھ میں سمجھتا ہوں اور میں جانتا ہوں کہ میں سچ سمجھتا ہوں وہ یہ ہے کہ بہادر بنو۔ مگر اس طرح کہ مار کھانے کی عادت ڈالو اور امام کے پیچھے ہو کر دشمن سے جنگ کرو۔ ہاں جب وہ کہے کہ اب لڑو، اُس وقت بے شک لڑو۔ لیکن جب تک تمہیں امام لڑائی کا حکم نہیں دیتا اُس وقت تک دشمن کو سزا دینے کا تمہیں اختیار نہیں۔ لاٹھی اور سوٹے سے نہیں بلکہ ایک ہلکا سا تھپڑ مارنا بھی تمہارے لئے جائز نہیں۔ بلکہ میں سمجھتا ہوں تھپڑ تو الگ رہا ایک گلاب کے پھول سے بھی تمہیں دشمن کو اُس وقت تک مارنے کی اجازت نہیں جب تک امام تمہیں لڑائی کی اجازت نہ دے۔ لیکن اگر تمہارا یہ عقیدہ نہیں تب بھی مَیں شریف انسان تمہیں تب سمجھوں گا کہ اگر تمہارا یہ دعویٰ ہو کہ گالی دینے والے دشمن کو ضرور سزا دینی چاہئے اور تم اُس گالی دینے والے کے جواب میں سخت کلامی کرتے ہو اور اس سے جوش میں آکر وہ پھر اَور بدکلامی کرتا ہے تو پھر تم مٹ جاؤ اور اپنے آپ کو فنا کر دو لیکن اُس منہ کو توڑ دو جس منہ سے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کیلئے گالی نکلی تھی

کیونکہ اُس کو خاموش کرانا تمہارا ہی فرض ہے کیونکہ تمہارے ہی فعل سے اُس نے مزید گالیاں دی ہیں۔ کیا تمہیں شرم نہیں آتی کہ تم ایک سخت بدلگام دشمن کا جواب دے کر اُس سے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو گالیاں دلواتے ہو اور پھر خاموشی سے گھروں میں بیٹھ رہتے ہو!! اگر تم میں رائی کے دانہ کے برابر بھی حیا ہے اور تمہارا سچ مچ یہ عقیدہ ہے کہ دشمن کو سزا دینی چاہئے تو پھر یا تو تم دنیا سے مٹ جاؤ یا گالیاں دینے والے کو مٹا دو۔ مگر ایک طرف تم جوش اور بہادری کا دعویٰ کرتے ہو اور دوسری طرف بُزدلی اور دون ہمتی کا مظاہرہ کرتے ہو۔ میں تو ایسے لوگوں کے متعلق یہی کہتا ہوں کہ وہ خود حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو گالیاں دلواتے ہیں اور وہ آپ سلسلہ کے دشمن اور خطرناک دشمن ہیں۔ اگر کسی کو مارنا پیٹنا جائز ہوتا تو میں کہتا کہ ایسے لوگوں کو بازار میں کھڑا کر کے خوب پیٹنا چاہئے کیونکہ وہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو آپ گالیاں دِلواتے ہیں اور پھر مخلص اور احمدی کہلاتے پھرتے ہیں۔

(اس کے آگے کچھ عبارت اس مضمون کی تائید میں ہے جسے بخوفِ طوالت چھوڑا جاتا ہے۔ مصری صاحب نے اس سب عبارت کو اپنے مخصوص اغراض کی وجہ سے حذف کر کے ذیل کا فقرہ چُن کر پہلے بیان کردہ فقرہ سے جا ملایا ہے)۔

پس میں پھر ایک دفعہ کھول کھول کر بتا دیتا ہوں کہ شریفانہ اور عقلمندانہ طریق دو ہی ہوتے ہیں یا انسان کو مرنا آتا ہو یا انسان کو مارنا آتا ہو۔

(اس کے بعد کے فقرات جو ان کے مضمون کے غلط ہونے کو روزِ روشن کی طرح ثابت کر دیتے ہیں۔ انہوں نے پھر حذف کر دیئے ہیں اور وہ یہ ہیں)

ہمارا طریقہ مرنے کا ہے، مارنے کا نہیں۔ ہم کہتے ہیں ہمیں اللہ تعالیٰ نے ابھی اس مقام پر رکھا ہوا ہے کہ مر جاؤ مگر اپنی زبان نہ کھولو۔ کیا تم نے جہاد پر حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی نظم نہیں پڑھی۔ اس میں کس وضاحت سے حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے بتا دیا ہے کہ اگر جہاد کا موقع ہوتا تو خدا تعالیٰ تمہیں تلوار کیوں نہ دیتا۔ اُس کا تلوار نہ دینا بتاتا ہے کہ یہ تلوار سے جہاد کا موقع نہیں۔ اسی طرح اگر تمہارے لئے مارنے کا مقام ہوتا تو تمہیں اس منہ کے توڑنے کی طاقت اور اس کے سامان بھی ملتے، جس منہ سے حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام

کو گالیاں دی جاتی ہیں۔ مگر تمہیں اس کی توفیق نہیں دی گئی اور سامان نہیں دیئے گئے۔ پس معلوم ہؤا کہ تمہارے لئے اللہ تعالیٰ نے یہی مقام مقدر کیا ہے کہ تم گالیاں سنو اور صبر کرو۔

(اوپر کی عبارت کو چھوڑ کر پھر مصری صاحب نے ذیل کا فقرہ چُن لیا ہے۔)

اور اگر کوئی انسان سمجھتا ہے کہ اس میں مارنے کی طاقت ہے تو میں اسے کہوں گا کہ اے بے شرم تُو آگے کیوں نہیں جاتا اور اُس منہ کو کیوں توڑ نہیں دیتا جس منہ سے تُو نے حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کو گالیاں دلوائی ہیں۔ گندے سے گندے الفاظ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے متعلق کہے جاتے ہیں۔ تم خود دشمن سے وہ الفاظ کہلواتے ہو پھر تمہاری تگ ودَو یہیں تک آکر ختم ہو جاتی ہے کہ گورنمنٹ سے کہتے ہو وہ تمہاری مدد کرے۔

(آگے ذیل کی عبارت پھر انہوں نے چھوڑ دی ہے۔)

گورنمنٹ کو کیا ضرورت ہے کہ وہ تمہاری مدد کرے۔ کیا اس کا اور تمہارا مذہب ایک ہے یا اس کی تمہاری سیاست ایک ہے؟ گورنمنٹ اگر ہمدردی کرے گی تو ان لوگوں کی جو تمہارے دشمن ہیں؟ کیونکہ وہ اکثریت میں ہیں اور تم اقلیت میں۔ اور گورنمنٹوں کو اکثریت کی خوشنودی کی ضرورت ہوتی ہے پس گورنمنٹ کو تم سے کس طرح ہمدردی ہو سکتی ہے۔ اُس کو تو اُسی وقت تک ہمدردی تمہارے ساتھ ہو سکتی ہے جب تک تم خاموش رہو اور دشمن کے مقابلہ میں صبر سے کام لو اور اس صورت میں بھی صرف شریف حاکم تمہاری مدد کریں گے اور کہیں گے انہوں نے ہمیں فتنہ وفساد سے بچالیا۔ مگر یہ خیال کرنا کہ گورنمنٹ اُس وقت مدد کرے جب دشمن تم کو گالیاں دے رہا ہو اور تم جواب میں اُسے گالیاں دے رہے ہو، نادانی ہے۔ اُس وقت اُس کی ہمدردی اکثریت کے ساتھ ہوگی۔ کیونکہ وہ جانتی ہے اقلیت کچھ نہیں کر سکتی۔ پس گورنمنٹ سے اسی صورت میں تم امداد کی توقع کر سکتے ہو جب خود قربانی کر کے لڑائی اور جھگڑے سے بچو۔ اور اُس وقت بھی صرف شریف افسر تم سے ہمدردی کریں گے اور کہیں گے کہ انہوں نے ہماری بات مان لی اور خاموش رہ کر اور صبر کر کے فتنہ وفساد کو بڑھنے نہ دیا۔ مگر رذیل حُکّام پھر بھی تمہارے ساتھ لڑیں گے اور کہیں گے کیا ہؤا اگر دشمن کا تھپڑ انہوں نے کھالیا۔ وہ زیادہ تھے اور یہ تھوڑے۔ اگر اکثریت سے ڈر کر تھپڑ کھالیا ہے تو یہ کوئی خوبی نہیں۔

(یہاں تک کی عبارت کو حذف کر کے مصری صاحب نے اگلا فقرہ نقل کر دیا ہے۔)

پس وہ تمہارے صبر کو بُزدلی پر محمول کریں گے۔

(اس کے بعد یہ فقرہ حذف کر دیا ہے۔)

''اور تمہاری خاموشی کو کمزوری کا نتیجہ قرار دیں گے پس''

(اس کے بعد ذیل کا فقرہ نقل کر دیا ہے۔)

''تمہارا گورنمنٹ کے پاس شکایت کرنا فضول ہے''۔

اب دیکھ لو میرے فقروں کو کس طرح توڑ مروڑ کر اور کانٹ چھانٹ کر کوئی ٹکڑا کہیں سے اور کوئی کہیں سے لے کر پیش کیا ہے اور پھر یہ شخص کہتا ہے کہ میں مصلح کی حیثیت سے کھڑا ہؤا ہوں۔ یاد رکھو دین کی اصلاح صرف وہی کر سکتا ہے جو سچائی کی مضبوط چٹان پر قائم ہو اور اس کی دیانت تو اِسی سے ظاہر ہے کہ میں تو کہتا ہوں کہ مارنا اور فساد کرنا قرآن کریم کی تعلیم کے خلاف ہے، احادیثِ صحیحہ کے خلاف ہے، حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی تعلیم کے خلاف ہے، میری تعلیم کے خلاف ہے۔ لیکن جو اِس تعلیم کو غلط سمجھتا ہے وہ خود ذمہ دار ہے، وہ ہمارے ساتھ کیوں شامل ہے۔ یہ بالکل غیر شریفانہ بات ہے کہ وہ شامل تو ہم میں ہے مگر کام غیروں والے کرتا ہے اور کہ میری رائے تو یہی ہے لیکن اگر کوئی اس سے مخالف رائے رکھتا ہے تو اس کی ذمہ داری اسی پر ہونی چاہئے۔ جماعت اسے کیوں بچائے۔ کیا اس نے نظام کی پابندی کی ہے؟ پھر میں تو یہ کہتا ہوں کہ دنیا میں انسان کو شرافت اور سچائی اختیار کرنی چاہئے اور اگر وہ کسی کو مارنا چاہے تو ہمارے ساتھ شامل نہ رہے۔ ان لوگوں میں چلا جائے جو ایسا عقیدہ رکھتے ہیں۔ یہ دوغلہ پن ٹھیک نہیں کہ ملا تو رہے ہم میں اور کام وہ کرے جو ہم جائز نہیں سمجھتے۔ مگر یہ صاحب بیچ میں سے کئی کالم کے مضمون چھوڑ کر ایسے رنگ میں بات کو پیش کرتے ہیں کہ گویا میں یہ کہہ رہا ہوں کہ مخالفوں کو مارو اور ان کو فنا کر دو۔ بے شک ایک جگہ میں نے کہا ہے کہ اگر ایسے چالیس آدمی میسر آجائیں تو ہم دنیا کو ڈرا سکتے ہیں۔ لیکن یہ اردو کا محاورہ ہے کہ جب قانون بیان کرنا ہو تو اس موقع پر بھی ''ہم'' کا لفظ استعمال کر دیتے ہیں۔ انگریزی میں ایسے موقع پر ایک کا لفظ استعمال کر دیتے ہیں۔ عربی میں یہ محاورہ ہے مثلاً حدیث میں آتا ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے

فرمایا کہ ''تم'' انصار یہ کہہ سکتے ہو کہ ہم نے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کو اُس وقت پناہ دی جب اس کے وطن والوں نے اس کو نکال دیا مگر اس کا مطلب یہ ہے کہ تم میں سے بعض منافق طبع یوں کہہ سکتے ہیں۔ اسی طرح ان الفاظ میں کہ اگر اِن دونوں عقیدوں کے چالیس چالیس آدمی بھی میسر آجائیں تو ہم دنیا کو ڈرا سکتے ہیں ایک قانون بیان کیا گیا ہے۔ ایک قاتل یا ڈاکو اُٹھتا ہے تو تمام علاقے میں دہشت پیدا کر دیتا ہے۔ اسی طرح میں نے یہ کہا ہے کہ اگر تم میں سے کوئی ڈاکو بننا چاہتا ہے تو اُسے چاہیئے کہ جا کر ڈاکوؤں میں شامل ہو۔ لیکن اگر ہمارے ساتھ رہنا ہے تو پھر مار کھاؤ۔ لیکن میرے ان الفاظ کو انہوں نے چھوڑ دیا ہے اور اس سارے مضمون کو نظر انداز کر کے پھر ان الفاظ کو نقل کر دیا ہے کہ ''بہادر وہ ہے جو اگر مارنے کا فیصلہ کرتا ہے تو مار کر پیچھے ہٹتا ہے''۔ حالانکہ ان الفاظ میں تو میں نے انسانی فطرت کا ذکر کیا ہے۔ کیا دنیا میں ایسے لوگ نہیں گزرے؟ سکندر اور نپولین وغیرہ ایسے ہی لوگ تھے۔ ایمان سے باہر بھی تو بہادری کے اظہار کے ذرائع ہیں۔ اسی کا مَیں نے ذکر کیا ہے۔ ان الفاظ میں مؤمنوں کا میں نے ذکر نہیں کیا۔ کہتے ہیں سکھ بڑے بہادر ہوتے ہیں۔ تو کیا اس کے یہ معنے ہیں کہ وہ سچے مؤمن ہوتے ہیں؟ یہ تو عام دُنیوی اخلاق ہیں جن کا اسلام سے کوئی تعلق نہیں۔

پھر میں نے کہا تھا کہ ''اِن دونوں میں سے ایک اصل اختیار کرو۔ جو کچھ میں سمجھتا ہوں اور میں جانتا ہوں کہ میں سچ سمجھتا ہوں۔ وہ یہ ہے کہ ''بہادر بنو مگر اس طرح کہ مار کھانے کی عادت ڈالو''۔ اگر ان الفاظ کو وہ ساتھ نقل کر دیتے تو میرا مطلب واضح ہو جاتا۔ اس لئے ان الفاظ کو انہوں نے چھوڑ دیا ہے۔ اسی طرح میں نے تو لکھا تھا کہ ''اگر تم جیتنا چاہتے ہو''۔ مگر انہوں نے اس کا انگریزی میں ترجمہ کیا ہے کہ اگر تم جینا چاہتے ہو جس سے ان کی غرض یہ ہے کہ ذہن خالص احمدی نقطۂ نگاہ کی طرف پھرے، عام قانون کی طرف لوگوں کی توجہ نہ ہو۔ یہ مصری صاحب کا حال ہے۔ وہ اس طرح بددیانتی کے ساتھ میرے فقروں کو پیش کرتے ہیں اور ساتھ ساتھ دعویٰ کرتے جاتے ہیں کہ امام جماعت احمدیہ اور جماعت احمدیہ کا ایک حصہ گندہ ہو گیا ہے اور مصری صاحب اس کی اصلاح کیلئے کھڑے ہوئے ہیں۔

ایک اور میرا فقرہ یہ ہے کہ ''شریفانہ اور عقلمندانہ طریق دو ہی ہوتے ہیں۔ یا انسان کو مرنا

آتا ہو۔ یا انسان کو مارنا آتا ہو"۔ ان الفاظ کو تو نقل کر دیا ہے۔ لیکن اس کے ساتھ کا فقرہ کہ "ہمارا طریقہ مرنے کا ہے" چھوڑ دیا ہے۔ اس سے آگے جا کر میں نے کہا ہے کہ "تم گالیاں سنو اور صبر کرو"۔ اسے چھوڑ کر اس کا یہ حصہ درج کر دیا ہے "اے بے شرم تُو آگے کیوں نہیں جاتا اور اُس منہ کو کیوں توڑ نہیں دیتا جس منہ سے تُو نے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو گالیاں دلوائی ہیں"۔ پھر اس سے آگے یہ فقرہ نقل کر کے کہ گورنمنٹ تمہاری مدد نہیں کرے گی، یہ فقرہ نقل کر دیا ہے کہ وہ تمہارے صبر کو بُزدلی پر محمول کریں گے۔ حالانکہ یہ فقرہ گورنمنٹ کے متعلق نہیں۔ بلکہ جیسا کہ میں نے درمیان میں نقل کیا ہے۔ یہ فقرہ رذیل حکام کے متعلق ہے اور میں نے صاف فرق کیا ہے کہ گورنمنٹ کا شریف حصہ تمہاری قدر کرے گا۔ مگر رذیل حکام تمہارے صبر کو بھی بُزدلی قرار دیں گے۔

غرضیکہ لَا تَقْرَبُوا الصَّلٰوۃَ [۱۲] کہنے والے کی طرح صرف کہیں کہیں سے کوئی کوئی ٹکڑا جو میرا عقیدہ نہیں بلکہ دوسرے کا عقیدہ بیان کیا گیا ہے لیکن میری طرف منسوب کر دیا گیا۔ اور جو میرا عقیدہ وہاں بیان ہے اسے چھوڑ دیا گیا ہے۔ یہ ثبوت ہے اس بات کا کہ دشمن جانتا ہے کہ وہ سچ سے میرے مقابلہ پر کامیاب نہیں ہوسکتا۔ آخر مَیں بھی مصنّف ہوں اور حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے زمانہ سے تصنیف کا کام کرتا آ رہا ہوں۔ میں نے ۱۹۰۷ء میں مضمون لکھنے شروع کئے اور ایک دو مضمون حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے بھی مجھ سے لکھوا کر اپنی طرف سے شائع کرائے۔ گویا آج اکتیس سال ہوئے کہ مَیں تصنیف کا کام کر رہا ہوں۔ اس عرصہ میں مَیں نے سینکڑوں تقریریں کی ہیں اور درجنوں اشتہار اور رسالے بھی شائع کئے ہیں۔ کوئی ثابت تو کرے کہ میں نے بھی کبھی کوئی غلط حوالہ دیا ہے۔ میرے کسی حوالہ کو بڑے سے بڑے دشمن کے سامنے بھی رکھ دو پھر دیکھو کیا وہ یہ فیصلہ کرتا ہے کہ میں نے کبھی کوئی حوالہ ارادتاً غلط پیش کیا ہے۔ مگر ان کو علیحدہ ہوئے ابھی ایک سال بھی پورا نہیں ہوا کہ دیانت کا معیار اِس قدر گر گیا ہے اور پھر دعویٰ جماعت کی اصلاح کا ہے۔ تم کوئی ایک ہی مثال پیش کرو کہ اللہ تعالیٰ نے کبھی اپنی جماعت کی اصلاح کیلئے کسی جھوٹے کو لیڈر بنا کر کھڑا کیا ہو۔ ہاں یہ صحیح ہے کہ جب کوئی جماعت گندی ہو جائے اور خدا تعالیٰ نے اُسے تباہ کرنے کا ارادہ کر لیا ہو تب وہ فاجروں سے بھی یہ کام

لے لیتا ہے۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے کوئی چار سَو سال بعد جب بغداد پر تباہی آئی تو بغداد کے لوگ ایک بزرگ کے پاس گئے اور کہا کہ آپ دعا کریں اللہ تعالیٰ اِس تباہی سے ہمیں بچالے۔ تو انہوں نے کہا میں دعا کیا کروں۔ میں تو جب بھی دعا کیلئے ہاتھ اُٹھاتا ہوں مجھے یہی آواز آتی ہے کہ یَـا اَیُّھَا الْکُفَّارُ اُقْتُلُوا الْفُجَّارَ یعنی اے کافرو! ان فاجروں کو تباہ کردو۔ پس یا تو وہ یہ فیصلہ کریں کہ وہ بے شک جھوٹے اور فریبی ہیں۔ مگر اللہ تعالیٰ ان کے ذریعہ احمدیت کو تباہ کر کے کوئی نیا دین قائم کرنا چاہتا ہے۔ لیکن اگر جیسا کہ وہ کہتے ہیں کہ احمدیت ایک صداقت ہے تو پھر اس کی اصلاح کیلئے کوئی جھوٹا کھڑا نہیں ہوسکتا۔

میری یہ تحریریں جن میں اس طرح کتر بیونت [۱۳] کی گئی ہے کوئی پوشیدہ باتیں نہیں ہیں بلکہ اخبار میں شائع شُدہ ہیں اور جو شخص اِن شائع شدہ تحریروں میں بھی بددیانتی سے کام لے سکتا ہے اس کی مثال اُس چور کی سی ہے جو لیمپ لے کر چوری کرنے جاتا ہے۔ یہ باتیں بھی اللہ تعالیٰ کی طرف سے میری صداقت کا ایک نشان ہے۔ باریک علمی نکتے ہر شخص نہیں سمجھ سکتا۔ خلافت کا مسئلہ بالکل واضح ہے۔ مگر ممکن ہے کوئی شخص اس کو بھی اچھی طرح نہ سمجھ سکتا ہو۔ مگر کون ہے جو اِن باتوں کو بھی نہ سمجھ سکے اور یہ معلوم نہ کر سکے کہ میرے دشمن میرے مقابل پر کس طرح بددیانتی، جھوٹ اور فریب سے کام لیتے ہیں۔

پھر اس مقدمہ میں ایک اور نشان بھی ہے۔ جس طرح حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو قتل کے مقدمہ کے متعلق رؤیا ہوگئی تھی اسی طرح اس مقدمہ میں مجھے بھی اللہ تعالیٰ کی طرف سے رؤیا ہوئی جو بالکل صحیح ثابت ہوئی۔ مجھے شیخ بشیر احمد صاحب نے فون پر اطلاع دی کہ اس درخواست کے فیصلہ کیلئے جو تاریخ مقرر تھی وہ بدل گئی ہے۔ پھر اس کے بعد دوبارہ اطلاع دی کہ دوسری تاریخ جو مقرر تھی وہ بھی بدل گئی ہے۔ میں نے انہیں کہا کہ یہ تاریخوں کا بدلنا اچھا نہیں کیونکہ مجھے دکھایا گیا ہے کہ اس عرصہ میں ججوں پر مخالف اثر ڈالنے کی کوشش کی جائے گی۔ میں بہت حیران تھا کہ ہائیکورٹ کے جج تو بڑے پایہ کے لوگ ہوتے ہیں ان پر بیرونی اثر ڈالنا تو ناممکن ہے۔ مگر اس کی کوشش کرنا بھی بظاہر ناممکن ہے۔ پھر یہ رؤیا کس طرح پورا ہوگا۔ مگر خدا تعالیٰ نے اس کے بھی سامان پیدا کر دیئے اور وہ اس طرح کہ ان لوگوں نے فخر الدین صاحب ملتانی کے لڑکے

کی طرف سے ایک ٹریکٹ انگریزی میں شائع کرا کے ججوں کو بھجوا دیا اور اسے مظلوم قرار دے کر ان کی ہمدردی حاصل کرنے کی کوشش کی۔ اس ٹریکٹ میں میرے حوالوں کو غلط طور پر کانٹ چھانٹ کر پیش کیا گیا ہے اور ظاہر کیا گیا ہے کہ گویا وہ لوگ بہت مظلوم ہیں اور میاں فخر الدین کو میں نے مروا دیا ہے۔ یہ ٹریکٹ علاوہ دوسرے لوگوں کے بہت سے ججوں کو بھی بھجوایا گیا اور اس طرح ججوں کے خیالات پر اثر ڈالنے کی کوشش کی گئی۔ مگر اللہ تعالیٰ نے ان کے اِس منصوبہ کو بھی ناکام کیا اور ججوں کو سچ تک پہنچنے کی توفیق دی اور اُنہوں نے صاف کہہ دیا کہ خطبہ میں ہرگز جسمانی سزا کی طرف کسی کو ترغیب نہیں دلائی گئی بلکہ روحانی سزا کا ذکر ہے۔

عجیب بات یہ ہے کہ یہ خطبہ جس کو غلط رنگ میں اور بگاڑ کر اِس طرح پیش کیا گیا ہے وہ فخر الدین صاحب کے جماعت سے اخراج سے بھی پہلے کا ہے۔ یہ خطبہ ۲۷ رمئی کا ہے اور فخر الدین صاحب کا اخراج ۷ر جون کو ہوًا ہے۔ تو اللہ تعالیٰ یہ بھی میری صداقت کے نشان دکھا رہا ہے۔ ان سے ایسے جھوٹ بُلوا کر یہ بتا رہا ہے کہ جو لوگ اخبار میں شائع شُدہ تحریروں میں اس طرح بد دیانتی سے کام لے رہے ہیں اور جھوٹ بول رہے ہیں وہ میری پرائیویٹ زندگی پر جو الزام لگاتے ہیں وہ کس حد تک قابل اعتبار ہو سکتے ہیں۔

رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی مجلس میں ایک دفعہ ایک یہودی آیا اور کہا کہ آپ نے میرا فلاں قرض دینا ہے۔ اُس نے خیال کیا ہوگا کہ آپ کو یاد نہیں ہوگا اس لئے دوبارہ وصول کرلوں۔ یا ممکن ہے وہ واقعی بھُول گیا ہو۔ اس طرح کئی لوگ مجھ سے دوبارہ وصول کر لیتے ہیں۔ مگر جب آپ نے فرمایا کہ میں تو ادا کر چکا ہوں تو ایک صحابی نے کہا ہاں یَا رَسُوْلَ اللہ! میں گواہ ہوں کہ آپ نے ادا کر دیا ہوًا ہے۔ اور جب اُس صحابی نے پورے وثوق سے گواہی دی تو اُس یہودی نے بھی کہا کہ ہاں مجھے یاد آ گیا آپ ادا کر چکے ہیں۔ اُس کے جانے کے بعد رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اُس صحابی سے پوچھا کہ تم تو اُس وقت موجود نہیں تھے، تمہیں کس طرح معلوم ہے کہ میں نے وہ قرض ادا کر دیا ہوًا ہے؟ تو اُس صحابی نے کہا یَا رَسُوْلَ اللہ! آپ کہتے ہیں آپ پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے وحی آتی ہے حالانکہ اسے نہ ہم دیکھتے ہیں اور نہ کوئی اَور۔ اور ہم ایمان لے آتے ہیں اور اٰمَنَّا وَ صَدَّقْنَا کہہ دیتے ہیں۔ تو پھر اس معمولی سی بات کے

صحیح ہونے کی گواہی میں ہمیں کیا تامل ہو سکتا ہے۔[14] سچائی کی طرح یہی اصل جھوٹ پر بھی چسپاں ہوتا ہے اور ہر شخص سمجھ سکتا ہے کہ جو شخص اخبار میں چھپے ہوئے خطبہ کے متعلق اس طرح دلیری کے ساتھ جھوٹ بول سکتا ہے، پوشیدہ زندگی کے متعلق اس کی بات کس طرح قابلِ اعتبار سمجھی جا سکتی ہے۔ پس یہ الٰہی فعل ہے جس سے وہ مؤمنوں کی مدد کرتا اور دشمنوں کی ذلّت کے سامان پیدا کرتا ہے۔

مصری صاحب کا دعویٰ ہے کہ وہ جماعت احمدیہ کی اصلاح کریں گے حالانکہ اِس جماعت کو اُس عظیم الشان نبی نے قائم کیا ہے جس کی خبر حضرت نوحؑ، حضرت موسیٰؑ، حضرت عیسیٰؑ اور رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے دی ہے اور ایسے عظیم الشان نبی کی جماعت میں جبکہ ابھی اِس کے صحابہ اِس میں زندہ موجود ہیں، اگر فتور آ جائے تو اِس کی اصلاح کیلئے جو شخص کھڑا ہو وہ تقویٰ اور دیانت کے لحاظ سے حضرت مسیح موعود علیہ السلام سے دوسرے درجہ پر تو ضرور ہونا چاہئے۔ لیکن جو شخص چھپی ہوئی تحریروں کو اس طرح بد دیانتی سے پیش کرتا ہے، حالانکہ وہ اچھی طرح جانتا ہے کہ اگر کیس چلا تو اس کا جھوٹ ظاہر ہو جائے گا اور ان فقروں کو جو میں نے دشمن کے منہ میں ڈالے تھے دیدہ دلیری کے ساتھ میری طرف منسوب کرتا ہے، تم اُس کے ایمان اور تقویٰ کا اندازہ بآسانی کر سکتے ہو۔ اور یہ وہ شخص ہے جو کہتا ہے کہ میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی جماعت کی اصلاح کیلئے کھڑا ہؤا ہوں۔" (الفضل ۱۸؍مارچ ۱۹۳۸ء)

۱۔ البقرۃ: ۲۷ ۲۔ الرحمٰن: ۲۱ ۳۔ البقرۃ: ۱۱

۴۔ الاحزاب: ۲۳ ۵۔ بنی اسرائیل: ۶۰

۶۔ ملفوظات جلد ۱ صفحہ ۴۵۰

۷۔ کتاب البریہ صفحہ ۲۸۵، ۲۸۶۔ روحانی خزائن جلد ۱۳ صفحہ ۳۰۳، ۳۰۴

۸۔ مَا كُنْتَ ثَاوِيًا فِيْٓ اَهْلِ مَدْيَنَ (القصص: ۴۶) وَمَا كُنْتَ بِجَانِبِ الطُّوْرِ (القصص: ۴۷)

۹۔ نائٹ: (KNIGHT)۔ وہ شخص جسے ذاتی طور پر سر کا خطاب دیا گیا ہو۔

KNIGHT MARSHAL، شاہی محل کا ایسا افسر جو امورِ قانونی سے تعلق رکھتا تھا۔ (آکسفورڈ انگلش اُردو ڈکشنری)

۱۰؎ خنّثوں: خُنثیٰ۔ ہیجڑہ

۱۱؎ بخاری کتاب مناقب الانصار باب مناقب الانصار رضی اللہ عنھم (مفہوماً)

۱۲؎ النساء:۴۴

۱۳؎ کتر بیونت: کانٹ چھانٹ۔ کمی بیشی

۱۴؎ ابو داؤد کتاب القضاء باب اِذَا علم الحاکم صدق شھادۃ الواحد یجوزلہ ان یقضی بہٖ۔